نفسِ مطمئنہ

پروفیسر سید احتشام حسین رضوی صاحب

اردو کے مشہور شاعر روش صدیقی نے اپنی ایک فارسی نظم میں امام حسین علیہ السلام کے متعلق ایک شعر میں اس طرح خراجِ عقیدت پیش کیا۔

عرش پرسید قرارِ دل کو نین کجا ست
کربلا گفت که مصروف دعا هست حسینؑ

اگر چہ معنوی اعتبار سے اس شعر میں قدرے ابہام ہے لیکن مجمل طور پر اس سے جو تاثر قائم ہوتا ہے وہ امامؑ کے ثبات قلب کی جانب اشارہ کرتا ہے۔ بڑے بڑے مذہبی رہنماؤں کی یہ بھی ایک خصوصیت رہی ہے کہ اپنے مقصد اور عزم تکمیل کی محویت میں وہ ان احتیاطی تدابیر کو نظر انداز کر جاتے ہیں جن کا خیال دوسروں کی راہ میں حائل ہو کر مقصد کی تکمیل میں رکاوٹ بن جاتا ہے۔ حصول مقصد کی محویت نہ ہو تو شخصیت کا وہ پر کشش انداز اپنی توانائی کھو بیٹھے جو بعض اوقات اس کا امتیازی وصف بن جاتا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کا نارِ نمرود میں کود پڑنا، حضرت علیؑ کا بستر رسولؐ پر سو رہنا یا صفین کے ہلاک خیز معرکہ میں اڑتے ہوئے تیروں اور سنسناتی ہوئی تلواروں کے درمیان نماز کے لئے کھڑا ہو جانا اسی اطمینان نفس اور ثبات قلب کے مظاہرے ہیں۔ اور یہ اطمینان قلب بہادری اور جانبازی کے تمام تصورات سے مختلف ہے، یہ جسمانی طاقت سے حاصل نہیں ہوتا بلکہ اپنے مقصد کی عظمت پر اعتماد اور نفس کی بلندی سے شعوری اور غیر شعوری طور پر شخصیت کا جز بن جاتا ہے اس کے نتیجہ میں جو عمل واقع ہوتا ہے اس میں کسی قسم کی نمائش اور ظاہر داری کو دخل نہیں ہوتا بلکہ اس سے لطافت، طاقت اور خیر و برکت کی شعاعیں پھوٹتی ہیں جو دوسروں کو بھی اپنے رنگ میں لیتی ہیں۔ اس کی مثالیں شاذ و نادر ملتی ہیں۔ ہندو اور بودھی ضمیات میں بعض تخئیلی قصے دیکھنے کو ملتے ہیں، جہاں دیوی دیوتاؤں کے امتحان لئے گئے، کبھی وہ ان امتحانوں میں کامیاب رہے اور انھیں بہتر درجے ملے اور کبھی ناکام رہے اور اپنے مدارج سے گرا دیئے گئے لیکن تاریخ میں اس کی جیسی شاندار مثال امام حسینؑ کی زندگی پیش کرتی ہے اس کا جواب کہیں اور نظر نہیں آتا۔

عام انسانی نقطۂ نظر سے امام حسینؑ رسول مقبولؐ کے بعد جو زندگی گذار رہے تھے وہ سراسر آزمائش اور امتحان کی زندگی تھی اسلام کی تاریخ ان کی نگاہوں کے سامنے بن اور بگڑ رہی تھی جس میں ضبط اور اقدام، تجربے اور عبرت کی بہت سی منزلیں آئیں ہر ایک کے اثرات اور نتائج امام حسینؑ کی فکر میں جذب ہو رہے تھے اور وہ روحانی طاقت کا ایک ایسا کوہِ گراں بنتے جا رہے تھے جسے دنیا کی کوئی طاقت متزلزل نہ کر سکے۔ کائنات میں علت و معلول کے جو رشتے قائم ہیں اور اسباب و نتائج کی جو زنجیریں پھیلی ہوئی ہیں ان کا لحاظ پیغمبروں اور اماموں نے بھی کیا ہے۔ امام حسینؑ بھی اپنے سفر حیات میں آلام و مصائب کی وہ ساری راہیں طے کیں جو حالات سے وجود میں آ گئی تھیں لیکن ان کے اقدام کی نوعیت دوسروں کے اقدام اور عمل کے مقابلہ میں مختلف اور مجاہدانہ ہوتی تھی۔ طریق کار کا اختلاف تو ہوتا ہی تھا، کردار اور مزاج، سیرت اور شخصیت کے دوسرے پہلو سامنے آتے تھے، جب یزید کے حکم پر ولید بن عتبہ نے امام حسینؑ کو بلایا اور بیعت کا سوال پیش کیا تو امام حسینؑ کی ساری گفتگو اور طرز عمل ایسا تھا جس

کی مثالیں صرف انھیں کے بعد کے اقوال اور اعمال میں مل سکتی ہیں

ولید یا مروان یا دونوں کا اس وقت قتل کر دینا آسان تھا لیکن یہ تو وہ بات ہوتی جو غالباً ہر شخص کر سکتا تھا۔ حسینؑ کو اطمینان تھا کہ وہ اپنی زندگی سے جو کام لینا چاہتے ہیں اس کے لئے اس سے بہتر وقت آئے گا۔ پھر ولید کے مکان سے واپس آ کر فوری فیصلہ کہ مدینہ نبی سے باہر نکل جانا چاہئے، بنی ہاشم میں سے کسے ساتھ لینا چاہئے، اور کسے مدینہ میں چھوڑ جانا چاہئے، یہ بھی امام حسینؑ کے کردار پر تیز روشنی ڈالتا ہے اسی طرح امام نے جو قدم بھی اٹھایا وہ ایسے امکانات سے پر تھا جس کی تعبیریں مختلف ہوسکتی ہیں۔ لیکن جس کا کم سے کم ایک پہلو امام حسینؑ کے مقصد حیات، طریق فکر، اسلامی نصب العین اور اخلاق نبوی سے مطابقت رکھتا ہے۔ یہ صورت اسی وقت رونما ہوسکتی ہے جب کسی شخص کا نفس اس کے قابو میں ہو، اسے ادھر ادھر نہ بھٹکائے اور مختلف راہیں دکھا کر وقتی کامیابی کے تصور سے سرشار نہ کر دے۔ امامؑ کا نفس ان کے مقصد، ارادے اور نصب العین کے تابع تھا، اسی لئے نہ تو ان کا دل ایسے موقعوں پر دھڑکتا تھا جب خوف و خطر کا سامنا ہوا اور نہ تذبذب کا شکار ہوتا تھا جب فیصلہ کا وقت آئے۔ امام حسنؑ کی شہادت کے بعد سے زندگی کا ہر لمحہ خطرات سے بھرا ہوا تھا۔ لیکن حسینؑ نے ایک لائحہ عمل بنالیا اور اس کام میں خوف و ہراس، تذبذب اور بے صبری کو کوئی جگہ نہیں دی۔

مدینہ سے روانگی کے وقت عبداللہ ابن عباس اور محمد حنفیہ سے گفتگو، مکہ سے رخصت ہوتے وقت عام اظہار خیال، راستہ سے کم عقیدہ اور کمزور طبیعت ساتھیوں کو علاحدہ کرنے کی کوشش مخصوص دوستوں کی طلبی، چند دنوں کے اندر صلح اور امن جوئی کے متعدد اعلان، دوستوں اور عزیزوں کی موت پر شکر خدا، تنہائی اور نرغۂ اعداء کے درمیان سکون قلب، یہ ساری باتیں ایک ہی چیز کی مظہر ہیں اور وہ یہ کہ امام حسینؑ کا کوئی فعل اور کوئی اقدام اضطراری نہ تھا، کوئی عمل ہراس اور گھبراہٹ کا نتیجہ نہ تھا اپنوں یا مخالفوں سے کوئی گفتگو ایسی نہ تھی جو ان کے اور ان کے آبا و اجداد کے اسلامی نصب العین کے منافی ہوتی۔ غور کرنے اور سمجھنے والوں کے لئے اس میں ایک دنیائے معانی پوشیدہ ہے، ایک، دو، تین، چار، پانچ یہاں تک کہ بہتر عزیز ترین رفیقوں اور عزیزوں کی قربانی دینے اور لاشیں اٹھانے کے بعد جسم میں اتنی طاقت کا موجود ہونا کہ ہزاروں تیروں، تلواروں اور نیزوں کی ضیافت کے لئے خون باقی رہے، یہ حسینؑ ہی کا کام تھا۔ اسی وجہ سے تو ابو اسحٰق اسفرائنی نے لکھا ہے کہ بلاؤں کی گھٹائیں جس قدر جھوم جھوم کر آتی تھیں، حسینؑ کے چہرے کا رنگ اسی قدر سرخ ہوتا جارہا تھا۔ سب کچھ کھو کر بھی حسینؑ نے کچھ نہیں کھویا تھا کیونکہ ان کا دل ان کے بس میں تھا اور ان کا نفس ان کے اشاروں پر چل رہا تھا اور وہ اپنی پوری توانائی کے ساتھ اپنے مقصد کی طرف گامزن تھے۔

امام حسینؑ کے اندر جو قوتیں تھیں، وہ صرف ان کے لئے نہ تھیں، وہ ان کے رفقاء اور اعزا میں بھی اس طرح سرایت کر رہی تھیں کہ وہ موت کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر ہنس رہے تھے۔ ایک دوسرے سے مزاح کر رہے تھے۔ موت کی طرف سبقت کرنے میں بے چین تھے۔ ان کی حیثیت بھی ایک پہاڑ کی تھی جو مخالف قوتوں کی شورش سے متزلزل نہیں ہوتا، ترغیب اور تخویف کا ان پر اثر نہ تھا، نہ کوئی آرزو نہ خوف، نہ دنیوی تعلقات کے منقطع ہونے کا خیال، ان کے خاموش چہروں میں صرف آنکھیں تھیں جو ادھر پھرتی تھیں جدھر حسینؑ پھرتے تھے۔ دل میں صرف ایک آرزو تھی وہ یہ کہ حسینؑ کے لئے جئیں اور حسینؑ ہی کے لئے مریں۔

انھیں اس کی فکر نہ تھی کہ ہم رہیں گے یا نہیں، بلکہ غم اس کا تھا کہ ہمارے بعد حسینؑ کی خدمت کون کرے گا۔ ان کی حیثیت ان دیوانگان عشق کی تھی جو اپنے لئے نہیں اپنے محبوب کے لئے جیتے ہیں اور قلب و دماغ کی یکسوئی سے اس کی خوشی کا مظہر بن جاتے ہیں۔ اسے سمجھنا ہو تو زخموں سے چور موت کو لبیک کہتے ہوئے مسلم بن عوسجہؓ اور حبیب ابن مظاہرؓ کی گفتگو سنو اور جونؓ غلام ابوذرؓ غفاری کے ان الفاظ پر غور کرو جو انھوں نے اذن

جنگ طلب کرتے وقت امام حسینؑ سے کی تھی۔

امام حسینؑ کے ساتھیوں میں یہ سکون قلب، حسینؑ کے سکون قلب کا پرتو تھا۔ یہ سکون قلب حسینؑ کو اپنے جلیل القدر نانا محمد مصطفیٰ صلعم سے ملا تھا، اپنے پدر بزرگوار علی مرتضیٰؑ سے اور اپنی مادر گرامی قدر جناب سیدہؑ سے ملا تھا اس اسلام سے ملا تھا جوان کا نصب العین، عقیدہ اور یقین تھا، جوان کا ایمان تھا۔ اسی کو قرآن مجید کی زبان میں نفس مطمئنہ کہا گیا ہے۔ یہ پہاڑوں کی پرسکون وادیوں میں غاروں کے اندھیرے میں، جنگلوں کی تنہائیوں، پہاڑوں کے دروں میں نہیں حاصل ہوا تھا بلکہ رزمگاہ حیات کی شور انگیزیوں کے درمیان، تلواروں کی جھنکار اور تیروں کی سنسناہٹ کے درمیان، تڑپتی لاشوں اوراڑتے ہوئے خون کے فواروں کے درمیان، کڑی دھوپ، بھڑکتی پیاس اور جان لیوا بھوک کے درمیان، بچوں کے نالہ وفریاد کے درمیان ملا تھا۔ کاش اسے وہ دیکھتے جن کے سکون قلب کا تذکرہ کیا جاتا ہے۔

حادثہ کربلا کے ہزارہا مناظر میں سے صرف ایک منظر اس ساری گفتگو کا نچوڑ ہے۔ امام حسینؑ جس حد تک ضروری تھا، جنگ کر کے گھوڑے سے گر چکے ہیں، زخموں سے لہو بہہ رہا ہے، آنکھوں میں موت کا اندھیرا چھا چکا ہے۔ خوف زدہ فوجی قریب آنے کی ہمت نہیں کرتے اور زخمی امامؑ پر پتھروں کی بارش کررہے ہیں اور جب شمر کو یقین ہوجاتا ہے کہ اب امامؑ اٹھ نہیں سکتے تو قریب آکر ان کا سر جسم سے جدا کرنا چاہتا ہے۔ بہیمیت اور درندگی کا مجسمہ، شرافت، نیکی، شجاعت اور صبر کے مجسمے کے سینے پر سوار ہوجاتا ہے اور ان سوکھے لبوں کی حرکت پر غور کرتا ہے جو کچھ کہنے کی کوشش کررہے ہیں، اور وہ سنتا ہے کہ امامؑ بخشش امت کے لئے دعا کررہے ہیں ایک نفس مطمئن کے سوا اور کوئی اس موقع پر اس بات کا خیال نہیں کرسکتا تھا لیکن حسینؑ کا مرنا اور جینا امت ہی کے لئے تھا یہی ان کا پہلا اور آخری نصب العین تھا، جب جان صرف لبوں میں رہ گئی تھی اس وقت ان لبوں نے یہ فرض پورا کیا۔ شمر پر تو اس کا اثر نہیں ہوا لیکن حیرت ہے کہ امت رسولؐ میں آج اس دور تہذیب میں بھی ایسے ہیں جنھیں حسینؑ کا یہ عمل نہ تو پسند آتا ہے اور نہ قابل ذکر۔

ماخوذ از سرفراز محرم نمبر ۱۳۸۲ھ، صفحہ نمبر ۳۱

تبلیغی سلام

قائم مہدی نقوی تذہیبؔ نگروری، لکھنؤ

ضروری ہے کہ پیغامِ کتابِ کبریا سمجھو
ہوا میں مت رہو قرآن میں کیا ہے لکھا سمجھو

عزاخانے میں طعن وطنز اور تفریح، حیرت ہے!
ادب سے بیٹھو اور ماتمکدہ کو مدرسہ سمجھو

زباں پر یاحسینؑ اور دل پہ قبضہ ہے یزیدوں کا
بچو اس دو رخی سے اور حرؑ کا فیصلہ سمجھو

ہمارے باپ دادا کا عمل سنت نہیں ہر گز
احادیث نبیؐ دیکھو کلامِ مرتضیٰؑ سمجھو

ملے گا کیا تمہیں قرآن وسنت چھوڑ کر یارو
مسلماں ہوگئے ہو تو نظامِ مصطفیؐ سمجھو

بنے ہو کس لئے اِس وہم کے، اُس وہم کے بندے
اگر ایمان والے ہو، خدا کو بس خدا سمجھو

خدا جس سے چھٹے، لعنت ہے ایسی رشتہ داری پر
چلو عباسؑ تک اور مقصدِ تَبَّتْ یَدَا سمجھو

حسینی کون ہے اور پھر حسینی کا عمل کیا ہے
بوقتِ ظہر شہؑ نے کس کو کیا دی ہے دعا سمجھو

تمیزِ نیک وبد پہلی علامت ہے حسینی کی
بجا کو تم بجا سمجھو خطا کو تم خطا سمجھو

علیؑ کا راستہ حق ہے تو کیوں ڈرتے ہو مرنے سے
لبِ قاسمؑ سے راہِ حق میں مرنے کا مزا سمجھو

خدا کی حاکمیت کے لئے قربانئ شہؑ ہے
یہ غم تو بعد کا ہے پہلے درسِ کربلا سمجھو

اُمورِ غیرِ شرعی کو عزاداری نہیں کہتے
ابھی بھی وقت ہے تذہیبؔ مفہوم عزا سمجھو